عدالتِ عظمیٰ

موجود:

جناب جسٹس قاضی فائز عیسیٰ

جناب جسٹس امین الدین خان

جناب جسٹس شاہد وحید

ازخود نوٹس مقدمہ نمبر 4/2022ء

(ایم بی بی ایس / بی ڈی ایس ڈگری پروگرام میں داخلے وقت ایم بی بی ایس / بی ڈی ایس (داخلہ، ہاؤس جاب اور انٹرن شپ) کے متعلق ضوابط، 2018ء، کے تحت حافظِ قرآن کو دیے جانے والے 20 اضافی نمبروں کے متعلق)

موجود

پی ایم ڈی سی کے لیے:	جناب افنان خان کنڈی، ایڈووکیٹ سپریم کورٹ
عدالت کے نوٹس پر:	جناب شہزاد عطا الٰہی، اٹارنی جنرل فار پاکستان مع راجا محمد شفقت عباسی، ڈپٹی اٹارنی جنرل
	ملک نعیم اقبال، ایڈووکیٹ سپریم کورٹ (عدالتی معاون)
تاریخ سماعت:	15 مارچ 2023ء

حکم نامہ

1. سپریم کورٹ کے قواعد، 1980ء[1] (**قواعد**) نہ تو 'خصوصی بنچ' کی اجازت دیتے ہیں، نہ ہی ان کا تصور دیتے ہیں۔[2] تاہم اس مقدمے کی سماعت کے لیے تین ججوں[3] پر مشتمل ایک 'خصوصی بنچ' تشکیل دیا گیا ہے اور سماعت کے لیے دوپہر ایک بجے کا وقت مقرر کیا گیا ہے جو کہ باضابطہ عدالتی وقت کے اختتام کے قریب ہے۔ اس 'خصوصی بنچ' میں شامل تین ججوں کو تین مختلف بنچز سے لیا گیا ہے۔[4] سوال پیدا ہوتا ہے کہ کوئی موجودہ باقاعدہ بنچ کیوں اس مقدمہ کی سماعت نہیں کر سکتا تھا؟ ریکارڈ اس 'خصوصی بنچ' کی تشکیل کا سبب ظاہر نہیں کرتا، نہ ہی ہمیں علم ہے۔

2. بنچز کی تشکیل کے متعلق قواعد پر ابھی چند دن قبل ہی غور کیا گیا تھا اور یہ قرار دیا گیا تھا[5] کہ:

> آرڈر XI کو 'بنچز کی تشکیل' کا عنوان دیا گیا ہے اور یہ آرڈر طے کرتا ہے کہ ہر مقدمے کی سماعت 'وہ جج کریں گے جنھیں چیف جسٹس نے نامزد کیا ہو' اور یہ چیف جسٹس کو اختیار دیتا ہے کہ وہ کسی مقدمے کو 'کسی بڑے بنچ کی طرف' بھیجے اور اگر کسی مقدمے میں جج 'رائے پر برابر تقسیم ہوں' تو اُس مقدمے کو سماعت کے لیے 'یا تو کسی اور جج کے سامنے یا کسی بڑے بنچ کے سامنے جسے چیف جسٹس نامزد کرے' رکھ دے۔ بنچ میں ججوں کی نامزدگی کی اجازت قواعد اسی حد تک دیتے ہیں۔ قواعد رجسٹرار کو یا چیف جسٹس کو کوئی ایسا اختیار نہیں دیتے کہ کسی بنچ میں جج یا ججوں کو تبدیل کریں یا ان کی تعداد کم کریں۔

---

[1] آئین اسلامی جمہوریۂ پاکستان، دفعہ 191۔

[2] سپریم کورٹ کے قواعد، آرڈر XI۔

[3] جسٹس قاضی فائز عیسیٰ، جسٹس امین الدین خان اور جسٹس شاہد وحید۔

[4] بنچ-II، بنچ III اور بنچ IV۔

[5] سول پٹیشن نمبر 3380/2020، حکمنامہ مورخہ یکم مارچ 2023ء۔

3. ہمارے سامنے جو امر رکھا گیا ہے اس کا نوٹس چودہ مہینے قبل لیا گیا تھا۔[6] ایم بی بی ایس اور بی ڈی ایس (داخلے، ہاؤس جاب اور انٹرن شپ) کے ضوابط، 2018ء، کا ضابطہ 9 (9) طے کرتا ہے کہ جو شخص ایم بی بی ایس (بیچلر آف میڈیسن، بیچلر آف سرجری) اور بی ڈی ایس (بیچلر آف ڈینٹل سرجری) میں داخلہ چاہتا ہو 'اگر اس نے حفظِ قرآن کا امتحان پاس کیا تو اسے ایچ ایس سی، یا، جیسا کہ معاملہ ہو، ایف ایس سی / مساوی میں حاصل کیے گئے نمبروں کے ساتھ بیس نمبروں کا اضافہ' دیا جائے گا۔ اس پر سوال پیدا ہوا کہ کیا یہ ضابطہ پاکستان کے تمام شہریوں کے ساتھ یکساں سلوک پر مبنی ہے اور اسلامی جمہوریۂ پاکستان کے آئین ('**آئین**') کی دفعہ 25 سے ہم آہنگ ہے اور کیا قرآن مجید یاد (حفظ) کرنے سے کوئی اچھا ڈاکٹر یا ڈینٹسٹ بنے گا۔ ایک اور سوال یہ ہے کہ کیا قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی جانب سے اجر حاصل کرنے کے لیے حفظ کیا جاتا ہے یا اس کے ذریعے کوئی دنیوی فائدہ، جیسے داخلہ یقینی بنانا، بھی حاصل کیا جاسکتا ہے اور کیا یہ 'اسلامی احکام'[7] کے مطابق ہوگا۔

4. مذکورہ بالا سوالات پر آرا میں شدت پائی جاسکتی ہے اور جذباتی عنصر بھی شامل ہو سکتا ہے۔ اس لیے یہ یقینی بنانا زیادہ اہم ہے کہ وضاحت اور شفافیت نہ ہونے کی وجہ سے فیصلہ سازی کے عمل کے متعلق شبہہ کا کوئی موقع نہ ملے۔ 'خصوصی بنچ' تشکیل دینے سے منحرفین کو 'خصوصی بنچ' کی خصوصی تشکیل پر تنقید کرنے کا موقع ملتا ہے۔ کسی فیصلے کے قابلِ اعتماد، اور قابلِ قبول، ہونے کے لیے فیصلہ سازی کے متعین عمل کا ہونا ضروری ہے۔ اگر مقدمات مقرر کرنے اور بنچز کی تشکیل کے لیے قابلِ شناخت، شفاف اور متعین طریق کار نہ ہو، اور پہلے دائر کیے گئے مقدمات پر بعد میں دائر کیے گئے مقدمات سبقت حاصل کریں، تو عدلیہ پر عوام کا اعتماد متزلزل ہو جاتا ہے۔

5. مقدمات کی سماعت کے لیے کسی طے شدہ طریقِ کار کی عدم موجودگی میں ان کو ترتیب میں رکھنا چاہیے اور 'پہلے دائر کیے گئے مقدمات پہلے سنے جائیں' کے اصول پر عمل ہونا چاہیے جس سے غلط فہمیوں اور بداعتمادی سے بچا جاسکے گا۔ اگر ایک ہی نوعیت کے مقدمات کو 'بغیر ترتیب کے' سنا جائے، اور اس کے لیے کوئی قابلِ فہم سبب نہ ہو، تو اس پر الزام لگایا جاسکے گا کہ ذاتی پسند کی بنا پر ترجیح دی گئی ہے۔ عدالت کے سامنے موجودہ مقدمہ مقرر ہونے میں چودہ مہینے لگے، جبکہ بعد میں دائر کیے گئے اسی نوعیت کے مقدمات[8] کو ان کے دائر کیے جانے کے فوراً بعد، اور موجودہ مقدمے سے بہت پہلے، مقرر کیا گیا۔

6. کسی درست سبب کے بغیر مقدمے کی سماعت میں جلدی یا تاخیر بذاتِ خود ایک طرح کا فیصلہ ہے؛ صرف انھی مقدمات کا فیصلہ کیا جاسکے گا جنھیں مقرر کیا گیا ہو۔ عوام کا اعتماد برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ مقدمات مقرر کرنے کا طریقِ کار پہلے سے طے شدہ، منصفانہ اور غیر جانب دارانہ ہو، اور یہ حقیقت آشکارا ہو۔

7. عوامی تاثر کی اہمیت ہوتی ہے – 'انصاف صرف کیا ہی نہ جائے بلکہ انصاف ہوتا نظر بھی آئے۔' عوامی اعتماد برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ عدالتی طریقِ کار میں با اعتماد ہونے کی خصوصیت راسخ کی جائے۔ عدالتی نظام کی بنیاد 'امانت'[9] پر قائم ہے، اور 'امانت' صرف نیک نامی کا اظہار نہیں ہے۔ کئی آئینی دفعات اسے لازم کرتی ہیں۔ ہر شخص کے ساتھ 'قانون کے مطابق سلوک' لازم ہے؛[10] اور 'تمام شہری قانون کے سامنے برابر ہیں اور انھیں قانون کا یکساں تحفظ حاصل ہے۔'[11] آئین 'امتیازی سلوک' کی اجازت نہیں دیتا۔[12] استثنائی برتاؤ کی بھی آئین میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

---

[6] سول پٹیشن نمبر 397-کے / 2020ء، حکمنامہ مورخہ 10 جنوری 2022ء۔

[7] آئین اسلامی جمہوریۂ پاکستان، دفعہ 227 (1)۔

[8] ایضاً، دفعہ 184 (3) کے مقدمات۔

[9] آئین اسلامی جمہوریۂ پاکستان، دیباچہ اور قراردادِ مقاصد جسے دفعہ 2-اے کے ذریعے 'آئین کا باقاعدہ حصہ بنا دیا گیا ہے اور وہ اسی حیثیت سے موثر ہوگا۔'

[10] ایضاً، دفعہ 4 (1)۔

[11] ایضاً، دفعہ 25 (1)۔

[12] ایضاً، دفعہ 25۔ صرف 'خواتین اور بچوں' کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا جاسکتا ہے۔

8. آئین نے 'مناسب طریقِ کار'[13] کو لازم کیا ہے، جس کا مطلب ہے کہ قانونی نظام میں حقوق کے نفاذ اور تحفظ کے لیے مسلّمہ قواعد اور اصولوں کی پابندی کی جائے۔ اس عدالت[14] نے قرار دیا ہے کہ:

> 24۔ اسلامی جمہوریۂ پاکستان کا آئین ('**آئین**') پاکستان میں قانون کی حکمرانی کا سرچشمہ ہے۔ 'ہر شہری کا ناقابلِ انتقال حق ہے کہ اسے قانون کا تحفظ حاصل ہو اور اس کے ساتھ قانون کے مطابق سلوک کیا جائے۔' قانون کی حکمرانی نظمِ حکومت کی بنیاد ہے۔ جب قانون نے طے کیا کہ کوئی کام کسی مخصوص انداز میں کیا جائے گا، تو اسے اسی انداز میں کرنا ضروری ہے؛ اور کوئی شخص جو اختیار استعمال کرتا ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ اسے قانون کے مطابق استعمال کرے۔ قانون کے مطابق سلوک کیے جانے کو مزید تقویت اور تاکید ملی جب آئین میں ترمیم کرکے ایک مزید بنیادی حق فراہم کرنے کے لیے آئین میں دفعہ 10-اے کا اضافہ کیا گیا جس نے طے کیا کہ: 'دیوانی حقوق اور ذمہ داریوں کے تعین، یا کسی شخص کے خلاف کسی جرم کے الزام کی صورت میں، اسے منصفانہ سماعت اور مناسب طریقِ کار کا حق حاصل ہوگا۔' حقوق اور ذمہ داریوں کے تعین میں مناسب طریقِ کار کی شرط کا پورا کرنا لازم ہے۔ آئین نے مناسب طریقِ کار کی تعریف نہیں دی۔ اس لیے اس کی تعریف کرکے اس کو محدود کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ تاہم اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ 'مناسب طریقِ کار' کی شرط ایک بے معنی تصور ہے، بلکہ مناسب طریقِ کار میں انصاف کے آفاقی معیارات شامل ہیں اور یہ کسی قانون یا قوانین پر منحصر نہیں ہے۔ یہ ایک جامع تصور ہے جسے مخصوص قوانین کے حوالے سے محدود نہیں کیا جاسکتا۔ 'مناسب طریقِ کار' کو پورے آئین کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے، جس میں مرضی سے طاقت کا استعمال، آمریت اور جابرانہ حکومت کی گنجائش نہیں ہے، مجموعی لحاظ سے سمجھنا چاہیے۔

9. پاکستان کے شہری مقننہ کے ارکان کا احتساب کرتے ہیں جب انتخابات ہوتے ہیں۔ انتظامیہ (بیوروکریسی) پر لازم ہوتا ہے کہ وہ حکومت کی مقررہ پالیسیوں اور ان کے متعلق قوانین کی پابندی کرے۔ تاہم عدلیہ اس طرح جواب دہ نہیں ہے۔ کسی جج کے خلاف تنہا سپریم جیوڈیشل کونسل میں کارروائی کی جاسکتی ہے 'اگر وہ کسی جسمانی یا ذہنی عارضے کی وجہ سے اپنے منصب کی ذمہ داریاں مناسب طریقے سے ادا نہ کرسکتا ہو یا جب وہ 'بدعنوانی' کا مرتکب ہو،[15] لیکن عدلیہ کے خلاف کارروائی نہیں کی جاسکتی۔

10. تعمیری تنقید کی گنجائش نہ ہونے کی صورت میں عدلیہ کا نقصان ہوگا۔ عدلیہ کا وجود اس لیے ہے کہ وہ لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرے اور اسے تاثرات، آرا اور تنقید کو کھلے دل سے قبول کرنا چاہیے کیونکہ یہ اسے اپنے کام پر نظر رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔ لوگوں کے تبصرے سے کمزوریاں پہچاننے میں مدد ملتی ہے جنھیں بعد میں دور کیا جاسکتا ہے۔ تعمیری تنقید عدلیہ کے مفاد میں ہوتی ہے کیونکہ اس سے اپنی کارکردگی بہتر بنانے میں مدد ملتی ہے۔ مقدمے کے فریق، جو کہ خدمت لینے والے ہیں، اور عدلیہ، جو کہ خدمت فراہم کرنے والی ہے، کے درمیان تعلق باہم تعاون کا ہونا چاہیے جس کا مشترک مقصد کارکردگی میں بہتری لانا ہو۔ تنقید پر پابندی نہ لوگوں کے مفاد میں اور نہ ہی عدلیہ کے مفاد میں ہے۔

11. مقدمے کی کارروائی کے دوران میں ہماری توجہ پاکستان الیکٹرانک میڈیا ریگولیٹری اتھارٹی ('**پیمرا**') کی جانب سے جاری کردی ایک 'ممانعت کے حکم'[16] کی طرف مبذول کرائی گئی جس کے ذریعے 'تمام سیٹلائٹ ٹی وی چینل کا لائسنس رکھنے والوں' کو منع کیا گیا تھا کہ وہ 'ریاستی اداروں' کے خلاف کوئی چیز نشر نہ کریں اور نہ ہی 'کسی بھی انداز میں ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے موجودہ معزز ججوں کے طرزِ عمل' پر کوئی گفتگو کی جائے۔

---

[13] آئین اسلامی جمہوریۂ پاکستان، دفعہ 10-اے۔

[14] وفاقِ پاکستان بنام ای-موورز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، 2022 ایس سی ایم آر 1021، ص 7-1046۔

[15] آئین اسلامی جمہوریۂ پاکستان، دفعہ 209 (5)۔

[16] ممانعت کا یہ حکم مورخہ 9 مارچ 2023ء جس کا نمبر F.No.3(07)/2023/OPS-BM/4419 ہے، لف ہے۔

12. آئین نے ہر شہری کو 'تقریر اور رائے کی آزادی' کا بنیادی حق دیا ہے اور پریس کی آزادی کی ضمانت دی ہے۔[17] ججوں پر جائز تنقید کی ممانعت نہ ہی عدلیہ کے مفاد میں ہے اور نہ ہی عوام کے مفاد میں۔ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے ججوں کے 'طرزِ عمل کے متعلق کسی قسم کا مواد نشر کرنے یا مکرر نشر کرنے'[18] کی ممانعت نا قابلِ فہم ہے۔ زبان بندی کا یہ حکم جاری کرنے کی وجہ ظاہر نہیں کی گئی۔

13. 'ممانعت کے حکم' کے متعلق کہا گیا کہ اسے 'پیمرا کے چیئرمین' کی منظوری سے جاری کیا گیا ہے، جس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ چیئرمین خود اسے کیوں جاری نہیں کرسکے؟ کیا چیئرمین کے خیال میں یہ کوئی حقیر اور معمولی کام تھا جس پر وقت صرف کرنا ان کے شایانِ شان نہیں تھا؟

14. پیمرا تنہا چیئرمین ہی سے تشکیل نہیں پاتا۔ جس قانون کے تحت پیمرا وجود میں آیا ہے اور کام کرتا ہے، اس کا کہنا ہے کہ 'اتھارٹی [پیمرا] کے تمام احکام، قرارات اور فیصلے تحریری صورت میں ہوں گے اور چیئرمین اور ارکان کی جانب سے قرار کو الگ الگ واضح کیا جائے گا۔'[19] پیمرا 'چیئرمین اور بارہ ارکان' سے تشکیل پاتا ہے۔[20] تاہم کیا ارکان کا اجلاس ہوا بھی تھا، اس میں کتنے ارکان نے شرکت کی اور ان کے 'قرارات' کیا تھے، یہ بتانا تو دور کی بات ہے، 'ممانعت کا حکم' تو یہ تک ظاہر نہیں کرتا کہ ارکان سے اس بارے میں رائے لی گئی تھی۔ قانون کے تحت بنے ہوئے منتظم ادارے کی جانب سے معلومات ظاہر نہ کرنے کی یہ روش باعثِ تشویش ہے۔

15. 'ممانعت کا حکم' اپنے اجرا کے جواز کے لیے بظاہر اس عدالت کے ایک فیصلے[21] پر انحصار کرتا ہے۔ تاہم جس فیصلے کا حوالہ دیا گیا ہے اس نے نہ تو پیمرا کو اس طرح کا زبان بندی کا حکم نامہ جاری کرنے کی ہدایت دی، نہ ہی اس کی تجویز دی۔ 'ممانعت کا حکم' اعلیٰ عدلیہ کے ججوں کے طرزِ عمل پر گفتگو سے ان کو تحفظ دیتا ہے، لیکن ضلعی / سیشن عدالتیں، جو کہیں زیادہ مقدمات سنتی اور ان کا فیصلہ کرتی ہیں، اور جو زیادہ غیر محفوظ ہیں، ان کو پیمرا نے یہی تحفظ دیے جانے کے لائق نہیں سمجھا۔ پیمرا کا یہ زبان بندی کا حکم نامہ، جو عدلیہ کی خواہش کے بغیر جاری کیا گیا، عدلیہ کو بے عزت اور بے توقیر کرتا ہے کیونکہ شہری یہ فرض کریں گے کہ یہ ججوں کی ہدایت پر جاری کیا گیا ہے جس کا مقصد انحرافات، غیر قانونی امور اور / یا عیوب کو چھپانا ہے۔ میڈیا کا گلا گھونٹنا آئین کی خلاف ورزی ہے اور نا قابلِ قبول ہے۔

16. 'ممانعت کا حکم' ایک آئینی دفعہ[22] کا حوالہ دیتا ہے جس کا اطلاق میڈیا پر نہیں ہوتا، اور 'ریاستی اداروں' کا ذکر کرکے بامعنی مواد کی جگہ طول طویل قصیدہ گوئی کو دے دی گئی ہے جس کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ پیمرا قانون کے تحت وجود میں لایا گیا ادارہ ہے جس سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ اپنے حکم ناموں میں یہ آئینی اور قانونی اصطلاحات استعمال کرے گا۔ 'ریاستی اداروں' کی ترکیب نہ تو آئین میں ذکر ہوئی ہے، نہ ہی پیمرا کے قانون[23] میں۔ جو ادارے عوام کی رقم سے چلائے جاتے ہیں، ان کو 'عوامی ادارے' کہا جاسکتا ہے جس سے ان پر عوام کی ملکیت تسلیم کی جاتی ہے اور یہ بھی مانا جاتا ہے کہ یہ ادارے عوام کی خدمت کے لیے ہیں۔ جب 'عوامی اداروں' کی ترکیب کو 'ریاستی اداروں' سے تبدیل کیا جاتا ہے، تو یہ صرف معمولی نوعیت کی لغوی ترکیب کا معاملہ نہیں ہوتا، بلکہ یہ عوام کی ملکیت کو منقطع کرکے اداروں کو نا قابلِ احتساب بنادیتا ہے۔

17. 'ممانعت کا حکم' تقریر، اظہارِ رائے اور میڈیا کی آزادی کے بنیادی حقوق کو پامال اور ان کی خلاف ورزی کرتا ہے۔[24] آئین نے اس بات کی بھی ضمانت دی ہے کہ 'ہر شہری کو حق ہوگا کہ عوامی اہمیت کے تمام امور کے متعلق معلومات تک اس کی رسائی ہو۔'[25] اور پیمرا

---

[17] آئین اسلامی جمہوریۂ پاکستان، دفعہ 19۔

[18] تاکید اضافہ کی گئی ہے۔

[19] پاکستان الیکٹرانک میڈیا ریگولیٹری اتھارٹی آرڈی ننس، 2002ء، دفعہ 8 (5)۔

[20] ایضاً، دفعہ 6۔

[21] ازخود نوٹس کیس نمبر 28/2018، پی ایل ڈی 2019 سپریم کورٹ 1۔

[22] آئین اسلامی جمہوریۂ پاکستان، دفعہ 68۔

[23] پاکستان الیکٹرانک میڈیا ریگولیٹری اتھارٹی آرڈی ننس، 2002ء۔

[24] آئین اسلامی جمہوریۂ پاکستان، دفعہ 19۔

[25] ایضاً، دفعہ 19-اے۔

یہ بھول گیا ہے کہ 'آئین اور قانون کی اطاعت ہر شہری کی ناقابلِ تنسیخ ذمہ داری ہے۔'[26] بنیادی حقوق کی خلاف ورزی نہیں کی جاسکتی اور جب بھی ان پر حملہ ہو عدالتوں پر لازم ہو گا کہ ان کا تحفظ کریں۔

18. ہم پیمرا کو یہ یاد دلانے پر مجبور ہیں کہ اس کو (دیگر امور کے علاوہ) 'اطلاعات کی آزادانہ ترسیل کو بہتر بنانے کے ذریعے احتساب، شفافیت اور حسنِ انتظام یقینی بنانے' کے لیے وجود میں لایا گیا تھا۔[27] تاہم مطلق پابندی لگا کر اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو تادیبی کارروائی کی دھمکی دے کر ممانعت کا حکم اس کے عین متضاد کام کرتا ہے۔ 'اطلاعات کی آزادانہ ترسیل' ختم کرنے سے 'احتساب، شفافیت اور حسنِ انتظام' کی راہ روکی جاتی ہے۔

19. آئین نے طے کیا ہے کہ 'تمام موجودہ قوانین' کا 'اسلام کے احکام کے ساتھ' ہم آہنگ ہونا لازم ہے اور یہ کہ 'کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جائے گا جو ان احکام سے متصادم ہو'۔[28] اسلام[29] ججوں پر تنقید سے نہیں روکتا۔ مومنوں پر لازم ہے کہ وہ سچ بولیں۔[30] حضرت محمد ﷺ نے سکھایا ہے کہ سب سے بہتر جہاد یہ ہے کہ جبر کرنے والی طاقت کے سامنے انصاف کی بات کی جائے،[31] اور یہ کہ اگر غلط کام ہوتا دیکھ کر بھی لوگ کچھ نہ کریں، تو ان کو بھی سزا ملے گی۔[32]

20. ججوں پر تنقید کو اسلامی روایت نے محفوظ کیا ہے۔ سنی حنفی مکتبِ فقہ کے بانی[33] عام طور پر ججوں (قاضیوں) پر کڑی تنقید کرتے تھے۔[34] ابو حنیفہ کو رام کرنے اور انھیں ججوں پر تنقید سے روکنے کے لیے خلیفہ المنصور نے چیف جسٹس (قاضی القضاۃ[35]) کا عہدہ تخلیق کیا اور انھیں یہ منصب پیش کیا لیکن انھوں نے یہ کہہ کر انکار کیا کہ وہ اس منصب کے لیے اہل نہیں۔ خلیفہ نے طیش میں آکر انھیں قید کیا اور انھیں تشدد کا نشانہ بنایا، اس عہدے سے انکار کرتے ہوئے قید میں ان کا انتقال ہوا۔

21. جج فیصلے کرتے ہیں اور اکثر دوسروں کو جواب دہ ٹھہراتے ہیں۔ اس لیے آئین، قانون، اخلاق اور مذہب کی رو سے یہ بات ناقابلِ دفاع ہے کہ ججوں کو جواب دہی سے مبرّا کیا جائے۔ دوسروں پر کچھ باتیں لازم کرنا لیکن خود ان کی پابندی نہ کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سنگین ترین جرم ہے اور وہ منافقوں کی توبیخ کرتا ہے۔[36] پیمرا کی جانب سے ججوں پر تنقید کو مکمل طور پر ممنوع قرار دینا آئین، قانون، اخلاق اور اسلام کی خلاف ورزی ہے۔

22. تعصب اور جانب داری کے تاثر کو زائل کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنا ضروری ہے۔ مساوات، منصفانہ سلوک، مناسب طریق کار اور مکمل غیر جانب داری کو یقینی بنانا لازم ہے۔ 'پر امن اور ہمہ شمولی معاشروں کی تشکیل کے لیے عوامی اداروں کا جواز اہم ہے۔'[37] عوامی توثیق اور اعتماد کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اسے حاصل کیا جاتا ہے۔ جب مقدمات کی سماعت کسی درست جواز کے بغیر باقاعدہ بنچز کے بجائے 'خصوصی بنچز' میں ہو تو 'یہ نظام کے اعتبار کو کم کرتا ہے اور اس کے سنگین نتائج ہو سکتے ہیں۔'[38]

---

[26] ایضاً، دفعہ 5 (2)۔

[27] پاکستان الیکٹرانک میڈیا ریگولیٹری اتھارٹی آرڈیننس، 2002ء، دیباچہ (iv)۔

[28] آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان، دفعہ 227 (1)۔

[29] ایضاً، دفعہ 2 – 'اسلام پاکستان کا ریاستی مذہب ہو گا۔'

[30] القرآن، سورۃ الاحزاب (33)، آیت 70 - وَقُولُواْ قَوْلًا سَدِيدًا۔

[31] سنن أبي داود، کتاب الفتن، حدیث نمبر 4344، بروایت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ - أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ۔

[32] ایضاً، حدیث نمبر 4338، بروایت ابو بکر رضی اللہ عنہ - إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلَى يَدَيْهِ أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللهُ بِعِقَابٍ۔

[33] امام ابو حنیفہ (نعمان بن ثابت بن زوطا بن مرزبان) (80-150ھ / 699-767ء)۔

[34] مثلاً 'کتاب اختلاف أبي حنيفة وابن أبي ليلى' جس کے مصنف ابو یوسف (111-182ھ / 729-798ء) ہیں جو خود بھی مشہور قاضی تھے۔

[35] یہ عہدہ پہلی بار تخلیق کیا گیا۔

[36] القرآن، سورۃ البقرۃ (2)، آیت 44 - أَتَأْمُرُونَ ٱلنَّاسَ بِٱلْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ ٱلْكِتَٰبَ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ سورۃ الصف (61)، آیات 2-3 - يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ ٱللَّهِ أَن تَقُولُواْ مَا لَا تَفْعَلُونَ۔

[37] اقوامِ متحدہ، شعبۂ اقتصادی و سماجی امور،

23. آئین کے ساتویں حصے کا عنوان 'نظامِ عدالت' ہے اور یہ سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس کی تشکیل بھی کرتا ہے۔[39] آئین نے طے کیا ہے کہ 'کسی عدالت کو کوئی اختیارِ سماعت حاصل نہیں ہوگا، سوائے اس کے جو اسے آئین کی رو سے، یا کسی قانون کی رو سے، یا اس کے تحت اسے عطا کیا گیا ہو۔'[40] اور 'عدالت کے عمل اور طریقِ کار کے لیے، آئین اور قانون کے تابع، سپریم کورٹ قواعد وضع کرسکتی ہے۔'[41]

24. نہ تو آئین نے اور نہ ہی قواعد نے چیف جسٹس کو (یار جسٹرار کو) یہ اختیار دیا ہے کہ وہ خصوصی بنچ بنائیں، جج چنیں جو ان بنچز میں ہوں گے، اور فیصلہ کریں کہ وہ کون سے مقدمات سنیں گے۔ چیف جسٹس کے پاس کوئی ضمنی، اضافی یا بقیہ اختیار بھی نہیں جسے وہ یہ کام کرنے کے لیے استعمال کرسکیں۔ اس کے باوجود، بدقسمتی سے، ایسا کیا جاتا ہے اور بعض اوقات اس کے سنگین نتائج ہوتے ہیں۔ اہم مقدمات جن کے اہم اثرات معیشت، سیاست اور پاکستانیوں کی زندگیوں کے دیگر پہلوؤں پر پڑے ہیں، عام طور پر سامنے آئے ہیں جن میں از خود نوٹس لیا گیا۔ ضمنی طور پر، لاطینی اصطلاح *suo motu* کا ذکر آئین میں نہیں ملتا۔ تاہم کوئی غلط عمل آئین کی جگہ نہیں لے سکتا، خواہ اس عمل کی مدت کتنی ہی طویل ہو۔ ہمیں[42] اپنے آپ کو اپنا حلف[43] یاد دلانا چاہیے جو ہم اٹھاتے ہیں، جو اس لیے ہوتا ہے کہ: (الف) آئین اور قانون کے مطابق عمل کیا جائے، (ب) ضابطہ اخلاق کی پابندی کی جائے، (ج) ذاتی دلچسپی کو فیصلوں پر اثر انداز نہ ہونے دیا جائے، (د) سب لوگوں کے ساتھ انصاف کیا جائے، اور (ہ) آئین کو برقرار رکھا جائے، اس کا تحفظ اور دفاع کیا جائے۔

25. جج اپنی مہارت اور آئین اور قانون کا فہم تشکیل دیتے ہیں، اور دنیا بھر میں اصولِ قانون کے متعلق ججوں کے مختلف زاویہ ہائے نظر، رجحانات اور ترجیحات ہوتی ہیں۔ وکلا (اور مقدمات کے فریق بھی) ججوں کے رجحانات اور ان کے استعمال کیے ہوئے طریق کار سیکھ لیتے ہیں، جنھیں وہ قبول کرتے ہیں، بشرطے کہ جس طریق کار سے بنچز کی تشکیل کی جاتی ہے وہ منصفانہ ہو۔ تاہم جب بنچز کی خصوصی تشکیل کی جائے اور ایک مخصوص ذہن یا رجحان کے حامل ججوں کو ایک مخصوص مقدمے کی سماعت کے لیے اکٹھا کیا جائے، تو پھر شکوک، شبہات اور غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں۔ فیصلہ سازی کے ایسے عمل سے، جس کے متعلق تاثر یہ ہو کہ اس میں مداخلت کی گئی ہے، آنے والے فیصلے کے نتیجے میں ہمیشہ شدید تنقید ہوتی ہے۔ معاملہ زیادہ سنگین ہو جاتا ہے جب 'خصوصی بنچز' کی تشکیل پر اعتراضات اور لارجر بنچ یا فل کورٹ کی درخواستوں کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور ان کے متعلق حکم نامہ تک جاری نہیں کیا جاتا۔

26. آئین کی دفعہ 184(3) کے متعلق تین طرح کے مقدمات ہوتے ہیں۔ پہلا، جب بنیادی حقوق کے نفاذ کے لیے کوئی باقاعدہ **درخواست** دائر کی جاتی ہے۔ دوسرا، جب سپریم کورٹ یا اس کے جج ('از خود') نوٹس لیتے ہیں۔ اور تیسرا، زیادہ آئینی اہمیت اور حساسیت کے حامل مقدمات (جو پہلی اور دوسری قسم کے بھی ہوسکتے ہیں)۔ قواعد کا آرڈر XXV صرف پہلی نوعیت کے مقدمات کو منضبط کرتا ہے۔ یہ صورتِ حال مزید سنگین ہو جاتی ہے کیونکہ آئین کی دفعہ 184(3) کے تحت فیصلے کے خلاف اپیل نہیں ہوسکتی۔ قواعد اس پہلو پر بھی رہنمائی نہیں دیتے کہ درج ذیل امور کو کیسے مُنضبط کیا جائے: (الف) سماعت کے لیے ایسے مقدمات کی ترتیب کیسے قائم کی جائے گی، (ب) ایسے مقدمات کی سماعت کے لیے بنچ/بنچز کی تشکیل کیسے کی جائے گی اور (ج) ان کی سماعت کرنے والے ججوں کو کیسے چنا جاتا ہے؟

'*Trust in Public Institutions*', https://www.un.org/development/desa/dspd/2021/07/trust-public-institutions/ (20 مارچ 2023ء کو رجوع کیا گیا۔).

[38] سول پٹیشن نمبر 3380/2020ء، حکمنامہ مورخہ 28 فروری 2023ء۔ مزید دیکھیے: ابو الاعلیٰ مودودی بنام حکومت مغربی پاکستان، پی ایل ڈی 1964 سپریم کورٹ 673، الجہاد ٹرسٹ بنام وفاقِ پاکستان، پی ایل ڈی 1996 سپریم کورٹ 324 اور آفتاب شعبان میرانی بنام صدر پاکستان، 1998 ایس سی ایم آر 1863۔

[39] آئین اسلامی جمہوریۂ پاکستان، دفعہ 175 (1)۔

[40] ایضاً، دفعہ 175 (2)۔

[41] ایضاً، دفعہ 191۔

[42] چیف جسٹس آف پاکستان، سپریم کورٹ کے ججز، ہائی کورٹس کے چیف جسٹسز، اور ہائی کورٹس کے ججز۔

[43] آئین اسلامی جمہوریۂ پاکستان، دفعہ 178 اور 194، تیسرا جدول۔

27. سپریم کورٹ کے پاس اختیار ہے کہ وہ مذکورہ بالا امور کو منضبط کرنے کے لیے قواعد وضع کرے۔ سپریم کورٹ چیف جسٹس اور تمام ججوں پر مشتمل ہے۔[44] احترام کے ساتھ، چیف جسٹس اپنی دانش کو آئین کی حکمت کی جگہ نہیں دے سکتے، جس نے ان امور کو طے کرنے کے لیے انھیں یک طرفہ اور اپنی مرضی کا اختیار نہیں دیا۔ چیف جسٹس اور سپریم کورٹ کے تمام ججوں کی جانب سے اجتماعی طور پر تعیین کا کام کوئی فرد اپنے طور پر نہیں کر سکتا، خواہ وہ فرد چیف جسٹس ہی کیوں نہ ہو۔

28. شہریوں کے مفاد کے لیے بہتر ہو گا کہ اس مقدمے اور ایسے تمام مقدمات کی سماعت ملتوی کی جائے جن کا نوٹس آئین کی دفعہ 184(3) کے تحت لیا گیا ہے، جب تک مذکورہ بالا امور کو منضبط کرنے کے لیے آئین کی دفعہ 191 کے مطابق ضروری قواعد نہ بنائے جائیں۔

29. اس معاملے کی عوامی اہمیت کے پیشِ نظر، اور چونکہ اس کا تعلق شہریوں کے بنیادی حقوق سے ہے، اس حکمنامے کا پاکستان کی قومی زبان میں،[45] جو کہ اردو ہے، ترجمہ بھی کیا جائے گا۔ تاہم انگریزی متن کو ہی اصل مانا جائے گا۔

جج

جج

جج

اسلام آباد

_________2023ء

اشاعت کے لیے منظور شدہ

---

[44] ایضاً، دفعہ 176۔

[45] ایضاً، دفعہ 251۔